فرانس میں مطالعۂ اسلامیات — مختصر جائزہ

[ڈاکٹر امجد علی (۱۹۲۶ء - ۱۹۹۰ء) ادارہ علوم اسلامیہ مسلم یونیورسٹی - علی گڑھ میں پروفیسر تھے۔ اُنھوں نے ۱۹۶۰ء کے عشرے میں پیرس یونیورسٹی - فرانس سے ڈی - لٹ کی ڈگری حاصل کی، اور ادارہ علوم اسلامیہ میں اسلامیات اور عربی زبان و ادب کی تدریس کے ساتھ ساتھ یونیورسٹی میں فرانسیسی زبان پڑھاتے تھے۔ اُن کے علمی کاموں میں ایک کتاب "تطور الغزل العربی" (عربی) اور مجموعہ مقالات Studies in Islam (مطالعات اسلام) معروف ہیں۔ اُنھوں نے فرانس میں علوم اسلامی کی تدریس و مطالعہ اور برصغیر کے مسلم حکمرانوں کا اپنی رعایا کے مذہب کے علمی مطالعہ سے بے اعتنائی کا تقابل ایک مقالے "مملکت فرانس و دراسات اسلامی اور ہندی مسلمان" میں کیا ہے۔ یہ مقالہ جناب محمد سالم قدوائی کی مرتبہ کتاب "افکار و احوال" (علی گڑھ: ۱۹۹۲ء) میں شامل ہے۔ مرتب اور ناشر کتاب کے شکریے کے ساتھ مقالے کا ابتدائی حصہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے جس سے فرانس میں مطالعۂ اسلامیات پر روشنی پڑتی ہے۔ مدیر]

یورپی ممالک میں فرانس ایک ایسا ملک ہے جس کا سابقہ اسلام سے اور مسلمانوں سے سب سے پہلے پڑا۔ یہ سابقہ یا اختلاط، مابعد کی تاریخ میں علمی و ثقافتی نقطۂ نگاہ سے بڑا خوش آئند ثابت ہوا۔ ساتویں صدی مسیحی کے آخر تک، عربوں نے مغرب اقصیٰ (لیبیا، الجیریا، تونس، مراکش) پر نہ صرف کلی طور پر سیاسی اقتدار حاصل کیا، بلکہ اس خطّے کو ایک نیا دین اسلام عطا کیا، اپنی زبان اور اپنا کلچر بخشا۔ اس سیاسی تبدیلی سے مغربی افریقہ میں ایک پُرسکون فضا پیدا ہوئی تھی۔ خطّے کا خطہ رومیوں کی حکومت سے غیر مطمئن تھا، خصوصاً الجیریا کے مقامی باشندے جو بربر کہلاتے تھے، اور آج بھی اُنھیں بربری کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ رومیوں کی حکومت میں اس نسل کو بربر کا نام اس لیے دیا گیا تھا کہ یہ قبیلے کا قبیلہ وحشی و غیر مہذب تھا اور ان کی زندگی قبائلی طرز پر تھی۔ رومیوں کی نظر میں ان کی وقعت اپنے غلاموں سے کچھ زیادہ نہ تھی، مگر عرب فاتحین کی تیز نظروں نے اس نسل کے جوہر کو پرکھ لیا اور اُنھیں دینی و دنیوی تربیت دینی شروع کی، ایک آزاد ماحول بخشا، عزتِ نفس و حق و انصاف کی دولت سے آشنا کیا، جوہر قابل تھا، زمین زرخیز تھی، نمی کی ضرورت تھی، فصلِ بار آور ہو گئی۔ یہی بربر نسل تقریباً نصف

صدی میں، ایک حد تک عربوں کے معاشرہ میں گھل مل گئی۔ قبیلہ قبیلہ نے عربی زبان کو اپنایا، عربوں کے دین و کلچر کو لبیک کہا اور بعد میں اس کلچر کو پروان بھی چڑھایا۔ کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ اندلس (اسپین) کی فتح میں عربوں کے دوش بدوش بربر نسل کا ایک اہم، نمایاں اور قابلِ تعریف حصّہ ہے۔ طارق بن زیاد اغلباً بربری نسل کا تھا، اس کے سپاہی بربری تو تھے جو طارق کی کمانڈ میں اسپین پر پہلی بار حملہ آور ہوئے اور نمایاں کامیابی حاصل کی۔

آٹھویں صدی مسیحی کے شروع میں (۷۱۱ - ۷۱۸ء) اندلس تقریباً فتح ہو چکا تھا۔ اب مسلمانوں کی نظریں فرانس کی طرف اٹھیں۔ ۷۱۸ء میں الحر بن عبدالرحمٰن الثقفی (موسیٰ بن نصیر کا تیسرا جانشین) نے پیرینیز کو عبور کیا اور جنوبی فرانس میں داخل ہو گیا۔ ۷۲۰ء میں الحر کے جانشین السمح بن مالک الخولانی نے نار بون کا علاقہ فتح کر لیا۔ ۷۳۲ء میں عرب فوجیں عبدالرحمٰن بن عبداللہ الغافقی کے کمانڈ میں شہر تور تک پہنچ گئیں، مگر یہاں عربوں کو ایک زبردست شکست سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ پھر بھی ان کی ہمت بندھی رہی اور سال دو سال کی مزید کوششوں کے نتیجہ میں پواتے[۴] اور اوزوں[۵] پر قبضہ کر لیا۔ یہ فتوحات اپنی جگہ پر حیرت انگیز ضرور تھیں، مگر دیرپا نہ ثابت ہوئیں اور آخر کار فرانسیسیوں نے عربوں کو اتنا دبایا کہ عربی فوجیں جنوبی فرانس میں اپنے قدم مضبوطی سے نہ جما سکیں۔ نوبت بایں جا رسید کہ ۷۵۹ء میں انہیں نار بون کا علاقہ چھوڑنا پڑا، اور پھر فرانس کی سرزمین پر قدم نہ رکھ سکے۔

یہ علاقائی فتح و نصرت کی کہانی تھی۔ زندہ قومیں فتح و شکست سے دوچار ہوتی ہیں۔ عروج و زوال ان کا شیوہ ہے۔ اس فتح اور شکست کی کہانی میں جو بات قابلِ غور ہے، وہ یہ ہے کہ اسی زمانے میں یورپ کی مسیحی دنیا اسلامی دنیا سے روشناس ہوئی۔ رومن کیتھولک چرچ میں اسلام کا چرچا ہوا۔ سسلی اور اٹلی میں بھی اسلام کی صدا گونجی، اسپین کے عیسائیوں اور عربوں میں ایک ثقافتی ربط قائم ہوا، شادی بیاہ سے رشتے مضبوط سے مضبوط تر ہوئے، اسپین کے مسیحی باشندے عربی زبان بذوق و شوق سیکھنے لگے اور ساتھ ہی ساتھ اسلام کا بھی بنظرِ غائر مطالعہ کرنے لگے۔ دھیرے دھیرے اسلام مقامی باشندوں میں سرایت کرنے لگا اور تھوڑے عرصہ میں مقامی لوگ کافی تعداد میں مسلمان ہو گئے، حتیٰ کہ نویں دسویں صدی میں اسپین کے علاقہ میں ایک نئی نسل وجود میں آ گئی جو تاریخ میں ہسپانوی عرب کے نام سے مشہور ہے۔ علاوہ بریں مسلم اسپین کے بڑے بڑے شہروں میں حکومت کی طرف سے مدرسے قائم کیے گئے جہاں دینی علوم، ادبیات اور مروّجہ سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدارس اپنی نوعیت کے اعتبار سے سیکولر تھے، کیونکہ یہاں بلا فرق مذہب و ملت، مسلمان، عیسائی اور یہودی طلبہ علم کی روشنی حاصل کرتے تھے۔ عبدالرحمٰن ثالث (۹۱۲ - ۹۶۱ء) نے جامعہ قرطبہ کی بنیاد ڈالی اور اسے پروان چڑھایا۔ اس یونیورسٹی سے منسلک ایک لائبریری بھی تھی جس میں چار لاکھ کتابیں تھیں اور جن کی فہرست ۴۴ جلدوں پر مشتمل تھی[۶]۔ کتابوں کی تعداد سے عمارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، اور جس ادارہ کی لائبریری چار لاکھ کتابوں پر

مشتمل ہو گی، اس کی ہمہ گیری کا بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ لائبریری کی ہمہ گیری سے یونیورسٹی کی عظمت کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ قرطبہ کی یونیورسٹی، جامعہ ازہر اور بغداد کے نظامیہ کالج سے قدیم تر اور سارے یورپ و مسیحی دنیا کی پہلی سیکولر درس گاہ تھی۔ طلبہ مذہب و ملت اور فرق کی قیود سے آزاد ہو کر اس یونیورسٹی میں داخل ہوتے تھے اور تعلیم حاصل کرتے تھے۔ یہاں دینی علوم، تاریخ، جغرافیہ، ریاضیات، فلکیات، نجوم، طب، نباتیات، فلسفہ، مابعد الطبیعیات و دیگر علوم کی تدریس ایک اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی۔ اسی یونیورسٹی کے سرچشمۂ علم سے سیراب ہو کر مسیحی اور یہودی علماء فرانس، سسلی اور اٹلی پہنچے اور اعلیٰ درس و تدریس میں مشغول ہوئے۔ پیرس یونیورسٹی میں ایک مسیحی عالم البرٹ لوگراں[۷]، نامی ارسطو کے فلسفے کا استاذ مقرر ہوا۔ اس کا وطن مالوف سواب تھا اور تاریخ پیدائش ۱۱۹۳ء بتائی جاتی ہے۔ اس شخص کی یہ شہرت تھی کہ وہ عربوں جیسا لباس پہنتا تھا اور جب ارسطو کے فلسفے کا درس دیتا تھا تو اس کے ہاتھوں میں فارابی، ابن سینا اور غزالی کی کتابیں ہوتی تھیں اور ان کتابوں سے عربی عبارت پڑھ کر اس کی تشریح و تفہیم لاطینی زبان میں کرتا تھا، تاکہ طلبہ مفہوم اچھی طرح سمجھ لیں۔ اس واقعہ سے یہ صاف ظاہر ہے کہ بارہویں صدی تک فرانس میں علوم اسلامیہ کا رواج ہو چکا تھا اور فرانس کی مثقف دنیا فارابی، ابن سینا اور غزالی کے علوم سے مستفیض ہو رہی تھی۔

اسلامی اسپین کی درس گاہوں کا عمومی فیض اور جامعۂ قرطبہ کا خصوصی فیض ایک اور منفرد شکل میں نمایاں ہوا۔ یہ تولیدو[۸] کی عیسائی درس گاہ کا قیام تھا۔ یہ درس گاہ مسیحی، نیز یہودی علماء کی قائم کردہ تھی۔ اس کے دو مقاصد تھے، پہلا یہ کہ اسلامی علوم کی درس و تدریس اور خصوصیت کے ساتھ اسلامی دینی علوم کا گہرا مطالعہ، نیز عربی زبان میں کامل دسترس حاصل کرنا، دوسرا یہ کہ فنون مروجہ کی عربی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کرنا، کیونکہ اس زمانے میں لاطینی ہی یورپ کی علمی زبان تھی۔ ان مقاصد کے اعتبار سے یہ مدرسہ عیسائی دنیا کا پہلا مدرسہ ہے۔ اس مدرسہ میں بڑا کام ہوا، سیکڑوں عربی کتابوں کا ترجمہ لاطینی زبان میں ہوا جن میں ہر فن کی کتابیں شامل تھیں، اور پھر یہاں سے یہ کتابیں یورپ کے دوسرے ممالک میں پہنچیں، اور یہی علمی روشنی یورپ کی نشأۃ ثانیہ کا ایک اہم سبب بنی۔

فرانس کی دراسات اسلامیہ کی تاریخ سے یہ واضح ہے کہ فرانسیسی علماء ایک حد تک اسلام سے روشناس ہو چکے تھے اور مسلمانوں کے کردار کو سمجھ چکے تھے، کیونکہ اسپین کے بعد، فرانس ہی کا اسلام اور مسلمانوں سے سابقہ پڑا۔ اسپین میں جب اسلامی تہذیب و تمدن پختہ ہو گئی تو یہ سیلاب بڑی تیزی سے فرانس کی طرف بڑھا، عیسائی عوام اسلام سے متاثر ہو کر اسلام قبول کرنے لگے، پڑھے لکھے لوگ عموماً اور علماء کا طبقہ خصوصاً اسلامی تہذیب و ثقافت کا مداح تھا۔ ظاہر ہے کہ ان حالات کے تحت مسیحی دینی علماء کیسے خاموش بیٹھ سکتے تھے۔ انہوں نے محسوس کیا کہ دین خطرہ میں ہے اور اگر بروقت کوئی مداوا نہ کیا گیا تو عیسائیت پر اسلام غالب آ جائے گا۔ چنانچہ پاپائے روم کی وساطت سے یہ بات طے

پائی کہ مسیحی دینی علماء علوم اسلامیہ اور عربی زبان کا گہرا مطالعہ کریں تاکہ اسلامی دینی کتب کا براہ راست مطالعہ کر کے ان کی خامیوں کو اجاگر کیا جا سکے اور ان پر سخت تنقید کی جائے، اس طرح عیسائی عوام کو اسلام سے متنفر کیا جا سکتا ہے۔ مسیحی دینی علماء کا یہ خیال تھا کہ اگر عربی زبان میں مہارت حاصل کر لی جائے تو خود مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کی جا سکتی ہے۔ اس بحث سے بتانا یہ مقصود ہے کہ شروع شروع میں دراسات اسلامیہ اور عربی زبان کا ذوق مسیحی دینی علماء میں پیدا ہوا اور وہ بھی علم کی خاطر نہیں، بلکہ ایک خاص مقصد کو مدّنظر رکھتے ہوئے، یعنی عیسائی عوام کو اسلام کے نرغے سے بچانا اور خود مسلمانوں میں عیسائیت کی تبلیغ کرنا۔

مغرب میں مسلمانوں اور عیسائیوں کے مابین ثقافتی رشتے بڑھ بھی رہے تھے اور مضبوط بھی ہو رہے تھے، مگر مشرق میں صلیبی جنگوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں۔ یہ جنگیں تقریباً دو صدی تک جاری رہیں (بارہویں اور تیرھویں صدی مسیحی) اور اس طویل مدّت میں سلاطین و اقوام دونوں نے اپنی اپنی بہترین صلاحیتوں کا استعمال تخریبی کاموں میں کیا۔ بڑی جنگیں ہوئیں، بڑی تباہی ہوئی، مگر ایک تعمیری صورت بھی رونما ہوئی۔ یہ مشرق و مغرب کا ثقافتی و تہذیبی اختلاط تھا، تجارتی تعلقات تھے۔ سماجی تعلقات اور دینی تبادلۂ خیالات سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو گئیں۔ رہن سہن، طور طریقے، عادات و اطوار ہر چیز میں فرق پڑا اور یہیں سے مشرق و مغرب کے باہمی تفاہم کی بنیاد پڑتی ہے۔

ان متذکرہ بالا جنگوں میں مملکت فرانس کا ایک بہت بڑا اور نمایاں حصّہ تھا۔ ان جنگوں کے نتیجہ میں فرانسیسی عوام و سپاہی دونوں مشرقی مسلمانوں سے روشناس ہوئے۔ ایک دو دن نہیں، بلکہ دو صدی تک دونوں قومیں ایک دوسرے سے جنگ و صلح کرتی رہیں۔ اس جنگ و صلح کے پردے میں باہمی تفاہم کی بھی خواہش پیدا ہوئی۔ اس خواہش کے نتیجہ میں فرانس میں علومِ اسلامیہ اور عربی زبان کا علم و تعلیم تیز سے تیز تر ہو گیا، مگر ایک بہت بڑے فرق کے ساتھ۔ ابھی تک علوم اسلامیہ کی میراث صرف مسیحی دینی علماء کے پاس تھی، مگر اب ان کے پاس سے نکل کر دوسروں کے پاس جا رہی تھی۔ پیرس یونیورسٹی میں عربی اور ترکی زبان کی تعلیم کا انتظام ہوا اور عربی کی ایک چیر قائم کی گئی۔ مسیحی دینی طبقہ کے علاوہ عوام بھی عربی زبان کی طرف متوجہ ہوئے۔ تیرھویں صدی میں، عربی زبان کی تعلیم پیرس یونیورسٹی میں باقاعدہ ہونے لگی، مگر علوم اسلامیہ کی تدریس کا انتظام اب تک اس درس گاہ میں نہ ہو پایا تھا۔ غالباً اس کی وجہ یہ تھی کہ پیرس یونیورسٹی پر چرچ کا مکمل قبضہ تھا اور چرچ کی یہ پالیسی نہیں تھی کہ عیسائی عوام کو علوم اسلامیہ کا درس دیا جائے۔ اس سے ان کے درمیان کفر و الحاد پھیلنے کا ڈر تھا۔ پوپ کی باقاعدہ ہدایت تھی کہ یونیورسٹی کے مشرقی علوم کے اساتذہ پر سخت نگاہ رکھی جائے۔ ایسا نہ ہو کہ یہ لوگ عیسائی طلبہ کو ابن سینا، غزالی اور ابن رشد کے فلسفے سے روشناس کرا کر انہیں گمراہ کر دیں اور یہ طلبہ پھر اسلام کی طرف رجوع ہوں[۹]۔

متذکرہ بالا علمی فضا کو اور آبدار بنانے میں چند عوامل بڑے اہم ہیں۔ ان میں سے پہلا واقعہ قسطنطنیہ کی فتح ہے۔ ترکوں نے ۱۴۵۳ء میں قسطنطنیہ پر مکمل فتح حاصل کر کے رومن سلطنت کا خاتمہ کر دیا۔ ایسی صورت میں مسیحی علماء بہت دنوں تک قسطنطنیہ میں قیام پذیر نہیں رہ سکے اور دھیرے دھیرے وہ لوگ وہاں سے ہجرت کر گئے اور اٹلی میں بودوباش اختیار کر لی، اور اُنہیں علماء نے یورپ میں نشأۃ ثانیہ کی بنیاد ڈالی۔ یہ فضا سب سے پہلے اٹلی میں پھیلی اور پھر وہاں سے اُنہیں علماء کی مدد سے فرانس، جرمنی اور انگلینڈ میں پھیلی۔ سائنٹیفک درس و تدریس کا دور شروع ہوا، بلکہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جدید یورپ کی علمی تاریخ یہیں سے شروع ہوتی ہے۔ مگر یہ کیوں؟ قسطنطنیہ کے مسیحی مہاجر علماء جادوگر تو نہیں تھے کہ ان کے آتے ہی اٹلی کی علمی فضا بدل گئی یا فرانس، جرمنی اور انگلینڈ میں سائنٹیفک طور پر درس و تدریس شروع ہو گئی۔ اس تبدیلی کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان مذکورہ ممالک کی زمین علمی فضا کے لیے پہلے سے ہموار تھی۔ اسلامی اسپین کے مدرسوں اور اعلیٰ درس گاہوں سے فارغ شدہ مسیحی و یہودی علماء ان ممالک میں بہت پہلے سے موجود تھے اور یورپ کو تاریکی کے دور سے نکال کر روشنی کے دور کی طرف لا رہے تھے۔ علمی تحقیق اور جدید طرز پر درس و تدریس کا علم بلند کیے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ جیسے ہی ان مہاجر علماء نے (قسطنطنیہ سے ہجرت کیے ہوئے) نشأۃ ثانیہ کی تحریک کا علم بلند کیا، یہ تحریک بڑی تیزی سے پھیلی۔ فرانس، جرمنی اور انگلینڈ کے علماء نے اس تحریک کو لبیک کہا اور تھوڑے ہی عرصہ میں یورپ کی کایا پلٹ گئی۔ تاریکی کا دور دھیرے دھیرے دور ہونے لگا اور علمی روشنی فضا کو منور کرنے لگی۔ علوم اسلامیہ و علوم عربیہ کی طرف ان علماء کی خاص توجہ مبذول ہوئی۔ روم میں پہلی مرتبہ عربی زبان کا پریس قائم ہوا۔ جس سے عربی متن چھاپنے کا کام نہ صرف آسان ہوا، بلکہ اس کی اشاعت بھی آسان تر ہو گئی۔

فرانس میں اسلامیات و عربیات کے درس و تدریس کی مہم تیز سے تیز تر ہوتی گئی۔ اس کا ایک سبب مصر پر نپولین کا حملہ تھا۔ نپولین کا حملہ مصر پر ۱۷۹۸ء میں واقع ہوا۔ اس حملہ کے جنگی پہلو سے قطع نظر، نپولین کے ساتھ عربی داں فرانسیسی علماء کا ایک گروہ تھا جو عربی لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں ماہر تھا۔ ان کے ساتھ ایک پریس بھی تھا جس کے ذریعے سے مصر میں عربی دنیا کا پہلا اخبار شائع ہوا۔ مصر پر قبضہ ہوتے ہی ان عربی داں علماء کے ذریعہ سے وہاں کے امراء، ارباب حل و عقد، نیز عوام سے ربط و ضبط پیدا کرنے میں بڑی آسانی ہوئی۔ اس حملہ کے ضمن میں جو بات قابل غور ہے وہ یہ ہے کہ اگر فرانس میں خاص طور پر اٹھارویں صدی میں عربی زبان کا علم و تعلم اتنے اعلیٰ پیمانہ پر نہ ہوتا تو شاید نپولین کو اپنے ملک میں ایک بھی عربی داں ایسا نہ ملتا جو عربی لکھنے، پڑھنے اور بولنے میں مہارت اور فوقیت رکھتا ہوتا۔ یہ واقعہ بہت بڑا ثبوت ہے کہ مملکت فرانس میں اٹھارویں صدی میں عربیات و اسلامیات کی درس و تدریس اعلیٰ پیمانہ پر ہوتی تھی۔ طلبہ کو بولنے اور لکھنے کی بھی مشق کرائی جاتی تھی۔

فرانس ۱۸۳۰ء میں الجیریا پر حملہ آور ہوا اور تقریباً دس برس کے عرصہ میں پورے خطے پر قابض ہو گیا۔ مصر اور الجیریا دونوں علاقوں کے لوگ مسلمان تھے اور ان کی مادری زبان عربی تھی، لہذا ان خطوں سے ثقافتی تعلق برقرار رکھنے کے لیے یہ ناگزیر ہوا کہ اسلامیات و عربیات کی درس و تدریس ایک اعلیٰ پیمانے پر ہو۔

فرانسیسی علماء کا یہ نظریہ تھا کہ فرانس اور عرب علاقوں کے مابین ثقافتی تعلقات کی بنیاد علمی ہو، یعنی فرانسیسی علماء اور عوام دونوں عربیات اور اسلامیات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد دینِ اسلام کا مطالعہ کریں۔ اسلام کو بغیر علمی طور پر سمجھے ہوئے، اس پر تنقید کرنا یا اس کی تنقیص کرنا علمی دیانت داری کے خلاف ہے۔ اسی طرح مسلمانوں کو سمجھنے کے لیے ان کی تاریخ و تمدن، طرز معاشرت، ان کی پسند اور ناپسند کا مطالعہ ضروری ہے۔ اس مقصد بالا کے تحت، فرانسیسیوں نے دین اسلام کا مطالعہ جی لگا کر کیا اور اس فن پر قلم بھی اٹھایا، مسلمانوں کی تاریخ و تمدن کا بھی مطالعہ کیا، ان کے سماج و افکار کا بھی مطالعہ کیا اور ان علوم و فنون پر علمی انداز میں کتابیں لکھیں۔

ان مذکورہ علمی کارناموں کی تکمیل کے لیے، مملکت فرانس میں مختلف نوعیت کے ادارے قائم کیے گئے۔ پیرس یونیورسٹی تو پہلے ہی موجود تھی اور وہاں عربی زبان کی تعلیم ہوتی تھی۔ ۱۵۳۰ء میں فرانس کا شاہی کالج[11] قائم ہوا، یہاں بھی عربی کا استاذ مقرر کیا گیا، عربیات اور اسلامیات کو ایک ممتاز جگہ دی گئی۔ آج بھی فرانس کا یہ ادارہ علوم اسلامیہ کے نقطۂ نگاہ سے ایک بڑا اور قابل قدر ادارہ ہے۔ پروفیسر ماسینیو[12] اسی ادارے کے ایک باعزت اور نامور استاذ تھے۔ ۱۷۹۵ء میں مدرسہ السنۂ شرقیہ[13] کا قیام عمل میں آیا، جہاں عربی زبان ابتداء سے ہی پڑھائی جاتی تھی۔ اس ادارے میں عرب تمدن کی بھی تعلیم دی جاتی تھی۔ یہ مدرسہ آج بھی پیرس میں قائم ہے اور بڑے آب و تاب سے اپنے مقصد کی تکمیل کر رہا ہے، یہاں عربی زبان کی ابتدائی تعلیم ہوتی ہے، تحریر و تقریر کی مشق کرائی جاتی ہے اور عرب تمدن کی بھی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مدرسہ کا نصاب مکمل کرنے کے بعد، ایک طالب علم عربی متن پڑھ سکتا ہے، اس زبان میں گفتگو بھی کر سکتا ہے، تحریر میں اپنا مافی الضمیر ادا کر سکتا ہے، عربی تمدن اور عرب ممالک کے جغرافیہ سے بھی ضرورت کے مطابق واقفیت رکھتا ہے، مختصر یہ کہ اس مدرسہ میں عربی لسانیات کو ایک ممتاز اور اہم درجہ حاصل ہے۔ ۱۸۲۲ء میں آسیاٹک سوسائٹی قائم کی گئی۔ اس سوسائٹی کا اہم مقصد ممالک شرقیہ کے متعلق تحقیق شدہ معلومات حاصل کرنا تھا۔ معلومات ہر قسم کی، چاہے وہ لسانیاتی ہو یا تاریخی و تمدنی، سماجی ہو یا مذہبی، اقتصادی ہو یا سیاسی۔ اس سلسلہ میں عربیات و اسلامیات کو اور بڑھاوا ملا۔ چونکہ ممالک شرقیہ میں ایک اچھی خاصی تعداد عرب ممالک کی ہے، لہذا ان ممالک پر مختلف نگاہ و نوعیت سے توجہ کی گئی اور اہل ممالک کا مطالعہ ہر زاویۂ نظر سے کیا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انیسویں صدی مسیحی میں فرانس کے ادب پر مشرقی اثرات خاص طور پر نمایاں نظر آنے لگے۔

ابھی تک جن اداروں کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں معیاری تحقیقی کام نہیں ہوتا تھا اور نہ جدید طرز پر تحقیق و ریسرچ ان کے مقاصد میں شامل تھی، مصر اور الجیریا فتح ہو جانے کے بعد، وہاں کے مدرسوں اور علمی اداروں سے سابقہ پڑا جو خالص دینی اور ادبی تھے، ان کے کتب خانوں میں نادر مخطوطے موجود تھے جن سے سطحی علم سے استفادہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ عربوں کے ادب و تاریخ و تمدن پر معیاری تحقیق کے لیے ایک تحقیقی ادارہ کی ضرورت پیش آئی تاکہ معیاری عربی مخطوطے، خواہ وہ فنِ ادب میں ہوں یا تاریخ و تمدن سے متعلق ہوں یا دینی مباحث پر مرکوز ہوں، ناقدانہ طور پر مرتب کیے جائیں اور پھر عمدہ طور پر شائع کیے جائیں اور فرانسیسی میں ان کا ترجمہ بھی پیش کیا جائے تاکہ فرانسیسی عوام ان خزانوں سے فائدہ اٹھا سکیں۔ علاوہ برایں عربوں کی سیاسی و سماجی و ثقافتی تاریخ جدید انداز پر محقق طور پر پھر سے پیش کی جائے، ان کی تاریخ ادب لکھی جائے، غرض کہ عربوں کو پھر سے روشناس کرایا جائے۔ اس غرض کے تحت پیرس یونیورسٹی سے ملحق ایک ادارہ قائم کیا گیا جو مدرسۂ درس اعلیٰ[13] کے نام سے مشہور ہوا۔ یہاں عربی ادب کا مطالعہ اعلیٰ معیار سے ہوتا تھا اور نظر ناقدانہ ہوتی تھی۔ طلبہ یہاں سے فارغ ہو کر مصر اور الجیریا کے مدرسوں میں بحیثیت استاذ مقرر ہوتے تھے اور ان میں اور جلا پیدا ہو جاتی تھی۔ ۱۹۲۹ء میں ایک اور ادارے کی بنیاد پڑی جس کا نام "معہد دراسات اسلامیہ"[14] ہے۔ یہ ادارہ بھی پیرس یونیورسٹی سے متعلق ہے۔ اس ادارے کا کام اعلیٰ معیار کی تدریس و تعلیم ہے۔ طالبانِ علم کو تحقیق سے روشناس کرنا ہے۔ اور پھر ان سے تحقیق کا کام لینا ہے اور خود یہاں کے اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ وہ تحقیق کرتے رہیں اور ان کی تحقیق منظرِ عام پر آتی رہے۔ مذکورہ ادبی و ثقافتی و تحقیقی اداروں نے بڑا تحقیقی و معیاری کام کیا ہے جس کا ایک اجمالی خاکہ مندرجہ ذیل ہے۔

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ انیسویں صدی سے پہلے فرانس میں علوم عربیہ اسلامیہ کا مطالعہ ضرور ہوتا تھا، ان علوم کی تدریس بھی ہوتی تھی، مگر نقد و تحقیق کا پہلو زیادہ نمایاں نہیں تھا۔ اٹھارہویں صدی کے آخر سے، فرانس ہی میں نہیں، بلکہ تمام یورپ میں تحقیقی و تنقیدی استشراق صحیح معنوں میں شروع ہوا اور جو علماء اس کاروبار میں لگے، اُنہیں مستشرقین کے نام سے یاد کیا گیا۔ یورپی دنیا کا سب سے پہلا اور مستند مستشرق سلوستر دوساسی[15] تھا جو فرانسیسی نژاد تھا۔ دراصل فرانس میں اسی عالم کی وجہ سے عربیات و اسلامیات کے درس و تدریس و تحقیق میں اضافہ ہوا۔ اس نے ۱۸۱۰ء میں عربی زبان کی قواعد شائع کی جو اس فن میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی عالم نے مقامات الحریری شائع کی۔ اس کی شرح اور اس کتاب کا عربی و فرانسیسی دیباچہ اس کی تحقیق کے معیار کو شہرت دیتا ہے۔ اس نے معلقات اور کلیلہ و دمنہ کا متن شائع کیا۔ اس نے دروز کے متعلق تحقیق کی اور تحقیق کے نتائج کو کتابی شکل میں شائع کیا۔ اس نے مصر کی مزروعہ زمین کی ایک طرح سے تاریخ مرتب کی کہ عربوں کی آمد سے نپولین کے حملہ تک اس مزروعہ زمین سے متعلق مختلف ادوار میں کس قسم کے

قوانین تھے۔ مختصر یہ کہ فرانسیسی محقق اپنے زمانے کا ایک مستند عالم تھا اور عربیات و اسلامیات دونوں
میدانوں میں اس کا تحقیقی کام گراں قدر تھا۔

دیر نبور[١٦] نے ١٨٨١ء میں سیبویہ کی گرامر شائع کی۔ سلوستر دوساسی کی شائع کردہ عربی گرامر اور
سیبویہ کی گرامر کی بنیاد پر گودفرائے دوموبین[١٧] اور بلاشیر[١٨] نے ١٩٣٧ء میں عربی زبان کی ایک
مکمل اور وافی گرامر فرانسیسی زبان میں تحریر کی جس سے آج تمام عربی دنیا مستفید ہو رہی ہے۔ عربی
ادبیات کی ترویج و تحقیق میں بریزینے[١٩]، شیر بونو[٢٠] اور ہودا[٢١] کے اسماء بھی قابل ذکر ہیں۔ اُنہوں نے
عربی ادب کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اور اس میدان میں عربی نثر و نظم کی معیاری کتابیں شائع کیں،
تحقیقی نقطہ نگاہ سے متعدد عربی متون کا ترجمہ اپنی زبان فرانسیسی میں کیا جس سے غیر عربی داں علماء
بھی مستفید ہوتے رہے ہیں۔ گویار[٢٢] نے ١٨٧٧ء میں عربی علم عروض پر ایک اعلیٰ معیار کا رسالہ شائع
کیا جس سے عرب موسیقی پر پہلی مرتبہ روشنی پڑی۔ مارسل[٢٣]، کوسین دو پرسیوال[٢٤]، بوسئے[٢٥]،
شربونو[٢٦] اور کازی مرسکی[٢٧] نے لغت و لسانیات کو اپنا دائرہ عمل بنایا۔ عربی - فرانسیسی و فرانسیسی -
عربی لغتیں تصنیف کیں۔ عربی لسانیات اور تاریخ کے میدان میں رولے باے[٢٨]، ولیم باے[٢٩] اور
ہنری باے[٣٠] کی تحقیقات قابل قدر اور ناقابلِ فراموش ہیں۔ سیدیو[٣١] کا کام ریاضیات، فلکیات،
نجومیات اور ریاضی و جغرافیہ کے میدان میں بہت اہم ہے۔ عربوں نے اس شعبۂ علم میں جو تحقیقات
کی، اسے منظر عام پر لانے والا یہی فرانسیسی مستشرق ہے، ورنہ دنیا عربوں کے ان بیش بہا خزانوں کو
اس وقت تک فراموش کر چکی ہوتی۔ کاترمیر[٣٢]، رینو[٣٣]، دوسلان[٣٤]، دوفریمری[٣٥] نے عرب جغرافیہ
نویسوں کو اپنا ہدف بنایا اور ان جغرافیہ دانوں کی دلچسپ معلومات سے دنیا کو آشنا کرایا۔ لکلرک[٣٦]،
کلیماں مولے[٣٧] اور کولیں[٣٨] نے عربی طب پر قابل قدر کام کیا، حالانکہ عرب اسی طب کو طبِ یونانی
کہتے ہیں۔ یہ ان کی ایمانداری کا تقاضا ہے۔ لکلرک نے طب عربی کی مکمل تاریخ دو جلدوں میں شائع کی
ہے۔ کاترمیر[٣٩]، دوسلان[٤٠]، باربیر دومینار[٤١]، دیر نبور[٤٢]، ہودا[٤٣]، ہوار[٤٤]، اور کرادووہ[٤٥] نے
عرب تاریخ نویسی کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ عربی تاریخ کی مشہور کتابیں شائع کیں جو آج بھی معیاری
کام تسلیم کیا جاتا ہے۔ ان تاریخ کی کتابوں میں سے بیشتر اہم کتابوں کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ اُنہیں
مستشرقین کی محنت کا ثمرہ ہے کہ آج یورپی دنیا عربی تاریخ و تمدّن سے آشنا نظر آتی ہے۔ لیوی پرووان
سال[٤٦] نے مسلم اسپین کی تاریخ و تمدّن پر سیر حاصل بحث کی، بلکہ دوزی[٤٧] جیسے مستشرقین کا کام جو
مسلم اسپین سے متعلق ہے، اس پر نظر ثانی کر کے پھر سے شائع کیا۔ فرانسیسی مستشرقین نے خالص
اسلامیات کے دائرے میں بھی بیش بہا کام کیے۔ کازی مرسکی[٤٨] نے قرآن کریم کا ترجمہ مع نوٹ و
حاشیہ کے شائع کیا۔ یہ فرانسیسی ترجمہ آج کلاسیکی درجہ رکھتا ہے۔ ہودا[٤٩] نے اسلامی فقہ پر بڑی محنت
سے کام کیا اور صحیح بخاری کا مکمل ترجمہ فرانسیسی زبان میں کیا۔ اس مستشرق کے علاوہ پروں[٥٠] اور

فایان[۵۱] کا کام بھی اس دائرہ میں قابل ذکر ہے۔ اُنھوں نے فقہ اسلامی کے مختلف پہلوؤں کو اپنی تحقیق میں اجاگر کیا۔ فرانسیسی علماء نے مسلّم فلسفہ کو نظر انداز نہیں کیا، بلکہ اسے بھی اپنی تحقیق کی زد میں لے آئے۔ ریناں[۵۲]، منک[۵۳] اور کراددوہ[۵۴] نے مسلم فلسفے کے دائرہ میں پر از تحقیق کام کیے۔ ابن رشد پر ریناں کا کام بہت اہم و قیمتی ہے۔ ماسینیو[۵۵] کا تحقیقی کام بالعموم تصوف پر اور بالخصوص "الحلاج" پر بیش بہا اور معلوماتی ہے۔

یہ ایک بہت ہی اجمالی خاکہ ہے جو ہم نے اپنے قارئین کے سامنے پیش کیا، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ فرانسیسی علماء کے کارہائے نمایاں عربی اور اسلامی دنیا دونوں پر ایک احسان ہے۔

اس بالا بحث سے جو سبق مترشح ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرانسیسی قوم اور ان کے علماء نے اپنے حملہ آور عرب دشمن کے جارحانہ اقدام کو نظر انداز کر کے، صلیبی جنگوں کی تلخیوں کو فراموش کر کے عربوں کے علوم و فنون کی خدمت کی، ان سے کلچرل تعاون کیا، تجارتی تعلقات استوار کیے اور علمی رشتے مضبوط کیے۔ اوپر کہیں تحریر کر چکا ہوں کہ جب نپولین نے مصر پر حملہ کیا تو وہ اپنے ساتھ عربی داں علماء کا ایک جتھا لے گیا تھا اور اُنھیں علماء کی سرکردگی میں مصری، عربی اور اسلامی تہذیب و تمدّن کا گہرا مطالعہ کیا گیا۔ عربوں کو ہر طرح سے سمجھنے کی کوشش کی گئی، اُنھیں علماء نے سرزمین مصر پر پہلی مرتبہ عربی پریس قائم کیا اور فرانسیسی و عربی کا اخبار پہلی مرتبہ نکالا۔ نپولین اگرچہ فاتح تھا، مگر مفتوحین کے قلوب کو موہ لینے کے لیے [اس نے] قاہرہ میں جدید طرز کے عربی و فرانسیسی اسکول قائم کیے، سائنٹفک تعلیم کی بنیاد ڈالی، جدید طب کے کالج قائم کیے۔ یہی نہیں بلکہ ہونہار عرب مصری طلبہ کو سائنس، طبِ جدید، ٹکنولوجی اور دیگر علوم و فنون کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے، نیز جدید سوشل و پولیٹیکل افکار سے بہرہ ور ہونے کے لیے فرانس بھیجا تاکہ یہ طلبہ جدید افکار سے متاثر ہو کر اپنے ملک میں سماجی اصلاح کریں۔ اسی طرح جب فرانسیسی الجیریا میں بطور فاتح داخل ہوئے تو اُنھوں نے وہاں کی تاریخ، جغرافیہ، قبائلی زندگی اور عربیات و اسلامیات کا عمیق مطالعہ کیا۔ ان فاتحین نے مفتوحین کے علوم و فنون سے نفرت نہیں کی، اسے پسِ پشت نہیں ڈالا، بلکہ اُنھیں ایک نئی زندگی بخشی۔ ان حقائق سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ فرانسیسی اس گر سے واقف تھے کہ جس قوم اور خطے پر حکمرانی کرنی ہو، اس قوم کا تعاون حاصل کرنا لابدی ہے اور بغیر اس قوم کے تعاون و امداد کے حکمرانی ممکن نہیں۔ تعاون و امداد کرنے کا بہترین طریقہ اس قوم کے علوم و تمدّن کا مطالعہ ہے، اس کی تاریخ کی عمیق فہمی ہے، اس خطے اور علاقے کی زبان کی جانکاری اور پھر اس میں روزمرہ کی گفتگو اور بات چیت ہے۔ غرضیکہ یہ اصولی بات ہے کہ اگر کسی قوم یا کسی علاقے کے مزاج و معاشرت کو اُنھیں کے علوم و ثقافت کے واسطے سے سمجھا اور پرکھا جائے، تو یہ تجربہ صحیح بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ چنانچہ فرانس نے عربوں کو ان کی ثقافت کے ذریعہ سمجھا اور ان کا کلچرل تعاون حاصل کیا۔ یہ کلچرل رشتے آج بھی قائم ہیں اور روز بروز ہر میدانِ زندگی میں بڑھ بھی رہے

ہیں اور مضبوط بھی ہو رہے ہیں۔

حواشی

۱۔ PYRENEES فرانس اور اسپین کا درمیانی علاقہ ہے جو چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں اور جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔

۲۔ NARBONNE جنوبی فرانس میں واقع ہے جو قرونِ وسطیٰ میں ایک مشہور بندرگاہ اور ایک بڑے بازار کی حیثیت سے مشہور تھا۔

۳۔ TOURS جنوبی فرانس کا ایک مشہور شہر ہے۔

۴۔ POITIERS مملکتِ فرانس کا ایک مشہور شہر ہے جو پیرس سے ۳۴۰ کلومیٹر کی دوری پر جنوب مغرب میں واقع ہے۔

۵۔ AVIGNON جنوبی فرانس کا مشہور شہر ہے جو پیرس سے ۶۷۷ کلومیٹر کے فاصلہ پر جنوب مغرب کی جانب واقع ہے۔

6. P.K. HITTI, HISTORY OF THE ARABS, LONDON, 1958, P. 531.

۷۔ ALBERT LEGRAND, شہر SOUABE میں پیدا ہوا تھا۔ یہ شہر جرمنی میں واقع ہے۔ دیکھیے: GUSTAVEDUGAT کی فرانسیسی کتاب HISTOIRE DES ORIENTALISTES DE I' EUROPE. کی پہلی جلد (ص ۱۷) جو دو جلدوں میں ہے اور پیرس سے ۱۸۶۸ء اور ۱۸۷۰ء میں شائع ہوئی ہے۔

۸۔ TOLEDO اسپین کا مشہور شہر ہے جو دریا ٹیگس پر واقع ہے۔

9. CREVIER M., HISTOIRE DEL UNIVERSITE DE PARIS, 7 VOLS. PARIS, 1761. دیکھیے [اس کی] جلد دوم، صفحات ۲۲۶-۲۲۸

۱۰۔ COLLEGE DE FRANCE کو فرانس کے بادشاہ فرانسوس اول (۱۵۱۵ء-۱۵۴۷ء) نے قائم کیا تھا۔

۱۱۔ LOUIS MASSIGNON فرانس کے شاہی کالج میں عربی کا استاد تھا۔ اس کی "حلاج" پر ایک وقیع کتاب، دو جلدوں میں ۱۹۲۲ء میں پیرس سے شائع ہو چکی ہے۔

12. ECOLE NATIONALE DESLANGUES ORIENTALES VIVANTES.

۱۳۔ ECOLE PRATIQUE DES HAUTES ETUDES کو فرانس کے وزیر تعلیم VICTOR DURUY نے ۱۸۶۸ء میں قائم کیا تھا۔

14. INSTITUT D' ETUDES ISLAMIQUE

۱۵۔ SILVESTRE DE SACY (۱۷۵۸ء - ۱۸۳۸ء)، مزید معلومات کے لیے ڈاکٹر امجد علی کا مقالہ دیکھیے جو BULLETIN OF THE INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES, A. M. U., ALIGARH (۱۹۶۴ء - ۱۹۶۵ء) میں شائع ہوا ہے۔

۱۶۔ H. DEREN - BOURG (۱۸۴۴ء - ۱۹۰۸ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: NOTICE-SUR LA VIE ET ES TRAVAUX DE DERENBOURG، پیرس ۱۹۰۹ء

۱۷۔ GAUDEFROY DEMOMBYNES مدرسۂ السنۂ شرقیہ میں عربی کا استاد تھا۔

۱۸۔ R. BLACHERE معہد دراسات اسلامیہ پیرس کا ڈائریکٹر تھا۔

۱۹۔ L. J. BRESNIER (۱۸۱۴ء - ۱۸۶۹ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DUGAT کی کتاب مذکور، جلد دوم، صفحات ۲۱ - ۳۰

۲۰۔ J. A. CHER-BONNE-EAU (۱۸۱۳ء - ۱۸۸۲ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DICTIONNAIRE UNIVERSAL DES CONTEMPORAINS VAPEREAU. ، طبع پنجم، پیرس، ۱۸۸۰، صفحات ۴۱۷ - ۴۱۸

۲۱۔ O.. HOUDAS (۱۸۴۲ء - ۱۹۰۶ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: HOUDAS RESUME DES TRAVAUX ET PUBLICATIONS DE HOUDAS، پیرس، بلا تاریخ

۲۲۔ S. GUYARD (۱۸۴۶ء - ۱۸۸۴ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: JOURNAL ASIATIQUE، پیرس ۱۸۸۴ء، جلد چہارم، صفحات ۳۸۵ - ۳۸۸

۲۳۔ J.J. MARCEL (۱۷۷۶ء - ۱۸۵۴ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: JOURNAL ASIATIQUE پیرس، ۱۸۵۴، جلد سوم، صفحات ۵۵۲ - ۵۶۲

۲۴۔ A. P. CAUSSIN PERCEVAL (۱۷۹۵ء - ۱۸۷۱ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: H. WALLON, NOTICE HISTORIQUE SUR LA VIE ET LES TRAVAUX ED CAUSSIN DE PERCEVAL ، پیرس ۱۸۸۰ء

۲۵۔ M. BEAUSSIER (۱۸۲۱ء - ۱۸۷۳ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: REVUE AFRICAINE، ۱۸۷۳ء، جلد ہفدھم، صفحات ۷۶ - ۷۷

۲۶۔ ملاحظہ نوٹ نمبر ۲۰

۲۷۔ A. KAZIMIRSKI (۱۸۰۸ء - ۱۸۸۷ء)، مزید معلومات کے لیے دیکھیے: VAPEREAU کی کتاب DICTIONNAIRE UNIVERSEL DES CONTEMPORAINS ، طبع پنجم، پیرس، ۱۸۸۰ء، ص ۱۰۲۰

۲۸۔ R. BASSET (۱۸۵۵ء - ۱۹۲۴ء)، مزید معلومات کے لیے دیکھیے: JOURNAL

ASIATIQUE، پیرس، ۱۹۱۴ء، جلد ۲۰۴، نمبر ۱، جنوری تا مارچ، صفحات ۱۳۷-۱۴۱

۲۹۔ W. MARCAIS فرانس کے شاہی کالج میں عربی استاد تھا۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: MELANGES W. MARCAIS، پیرس، ۱۹۵۰ء

۳۰۔ H. BASSET مراکش کے معہد دراسات عالیہ کا ڈائریکٹر تھا۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: HESPERIS، پیرس، ۱۹۲۶ء، جلد ششم، صفحات ۱-۴

۳۱۔ L.P.E.A. SPDILLOT (۱۸۰۸ء - ۱۸۷۵ء)، مزید معلومات کے لیے DUGAT کی کتاب مذکور، جلد اول، صفحات ۱۲۱ تا ۱۴۲ دیکھیے۔

۳۲۔ E.M. QUATREMERE (۱۷۸۲ء - ۱۸۵۷ء)، مزید معلومات کے لیے دیکھیے B.S. HILAIRE, NOTICE SUR E. QUATREMERE، پیرس، ۱۸۶۱ء

۳۳۔ J.T. REINAUD (۱۷۹۵ء - ۱۸۶۷ء)، مزید معلومات کے لیے DUGAT کی کتاب مذکور، جلد اول، صفحات ۱۸۶ تا ۲۳۲ دیکھیے۔

۳۴۔ DE. SALNE (۱۸۰۰ء - ۱۸۷۸ء)، مزید معلومات کے ملاحظہ ہو: ALGER REVUE AFRICAINE، ۱۸۷۸ء، جلد ۲۲، صفحات ۴۷۳-۴۷۴

۳۵۔ C.F. DE FREMERY (۱۸۲۲ء - ۱۸۸۳ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: BARBIEP DE MEYNARD, NOTICE BIOGRAPHIQE SUR DEFREMERY , PARIS, 1884

۳۶۔ DR. N.L. LECLERC (۱۸۱۶ء - ۱۸۹۳ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: JOURNAL ASIATIQUE ، پیرس، ۱۸۹۴ء، جلد چہارم، صفحات ۶ - ۸

۳۷۔ J.J. CLEMENT - MULLET (۱۷۹۶ء - ۱۸۶۹ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DUGAT کی کتاب مذکور، جلد دوم، صفحات ۳۱ - ۴۳

۳۸۔ DR. M.G. COLIN (۱۸۶۰ء - ۱۹۲۴ء) مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DICTIONNAIRE DE BIOGRAPHIE FRANCAISE، پیرس، ۱۹۶۱ء، جلد نہم، ص ۲۳۲

۳۹۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۳۲

۴۰۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۳۴

۴۱۔ C. BARBIER DE MEYNARD (۱۸۲۶ء - ۱۹۰۸ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: 'NOTICE SUR LA VIE CT LES TRAVAUX DE BA BIER DC P. GIRARD MEY NARD, PARIS, 1909

۴۲۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۶

۴۳۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۲۱

۴۴۔ C.I. HURARN (۱۸۵۴ء - ۱۹۲۶ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: JOURNAL AOIATIQUE، پیرس، ۱۹۲۷ء، جلد ۲۱۰، صفحات ۱۸۶ - ۱۸۹

۴۵۔ CARRA DE VAUX کیتھولک انسٹی ٹیوٹ میں پروفیسر تھا۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DICTONNAIRE DE GIOGRAPHIC FRENCSAISE، پیرس ۱۹۵۶ء، جلد ہفتم، ص ۱۲۲۰

۴۶۔ E. LEVI-PREVENCAL، پیرس کے معہد دراسات اسلامیہ کا ڈائریکٹر تھا۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: ARABICA، لائڈن، ۱۹۵۶ء، جلد سوم، صفحات ۱۳۳ - ۱۳۵

۴۷۔ R. DOZY (۱۸۲۰ء - ۱۸۸۴ء)، یہ لائڈن یونیورسٹی میں عربی کا استاذ تھا۔

۴۸۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۲۷

۴۹۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۲۱

۵۰۔ DR. N. PERRON (۱۷۹۸ء - ۱۸۷۶ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: REVUE AFRICAINE، ۱۸۷۶ء، جلد ۲۰، صفحات ۱۷۳ - ۱۷۵

۵۱۔ E. FAGNAN یہ الجزائر کی یونیورسٹی میں عربی کا استاذ تھا۔ مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: REVUE AFRICAINE، ۱۹۳۱ء، ص ۱۳۹

۵۲۔ J.E. RANAN (۱۸۲۳ء - ۱۸۹۲ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: H. DESPORTES ET F. BOURNAND RANAN, SA VIE ET SON OEUVER، پیرس، ۱۸۹۳ء

۵۳۔ S. MUNK (۱۸۰۳ء - ۱۸۶۷ء)، مزید معلومات کے لیے ملاحظہ ہو: DUGAT کی کتاب مذکور، جلد دوم، صفحات ۱۹۲ - ۲۱۲

۵۴۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۴۵

۵۵۔ ملاحظہ ہو نوٹ نمبر ۱۱